مسئلۂ تکفیر: غامدی صاحب کا "جوابی بیانیہ"

نادر عقیل انصاری

تعارف: یہ نادر عقیل انصاری صاحب کا پہلا مضمون ہے جو انہوں نے ہمارے اصرار پر خاص "حرف نیم گفتہ" کے لیے لکھا ہے، ورنہ وہ انٹرنیٹ کے لیے لکھنے پر راضی نہیں ہوتے۔ اس کا موضوع بھی جدید اسلام ہے۔

جدید اسلام نے دو صورتوں میں امت میں ظہور کیا ہے۔ ایک طرف داعش جیسے دہشت گروہوں کے نظریہ ساز ہیں اور دوسری طرف مسلمانوں میں پروٹسٹنٹ طرز کی تحریک اصلاح کے لبرل قائلین ہیں۔ دونوں گروہوں کا نشانہ مسلمانوں کی فقہی، متکلمانہ، اور صوفیانہ روایات ہیں۔ دونوں کا مقصد مسلمانوں کی دینی روایت کو بے دخل کر کے ان کی جگہ خود سنبھالنا ہے۔ دونوں روایتی مسلمانوں کی تکفیرِ عام کے مرتکب ہوئے ہیں۔ دونوں اپنے پروگرام کو قوت کے ذریعے نافذ کرنا چاہتے ہیں: ایک دہشت گردی کے ذریعے سے اور دوسرا گروہ "جدید قومی ریاست" کی غیر انسانی اور سفاک قوت کے ذریعے سے۔ نادر عقیل انصاری صاحب کے زیر نظر مضمون میں پراٹسٹنٹ اسلام کی حکمت عملی کے ایک پہلو یعنی تکفیر مسلم کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ غامدی صاحب نے اپنے "جوابی بیانیے" میں تکفیر کو ممنوع قرار دیا ہے، اور دوسری طرف عامۃ المسلمین کی تکفیر کی ہے۔ ان کا نشانہ صوفیائے کرام ہیں، جنہیں روایتی مسلمان اپنے ائمہ اور مجددین میں شمار کرتی ہے۔

نادر عقیل انصاری صاحب نے قرآن و حدیث کی روشنی میں مسئلہ تکفیر کا جائزہ لیا ہے اور وہ مختلف وجوہ گنوائی ہیں جن کے نتیجے میں امت کسی گروہ کی تکفیر کا فیصلہ کرتی ہے۔ غامدی صاحب نے اس معاملے میں یہ انتہائی رائے اختیار کی ہے کہ اسلام کا دعوی کرنے والے کو سرے سے "غیر مسلم" قرار نہیں دیا جا سکتا، خواہ اس کے عقائد و اعمال کچھ بھی ہوں۔ دوسری جانب، غامدی صاحب کے نزدیک صوفیائے کرام کا جرم یہ ہے کہ وہ "اسلام کے بالمقابل ایک متوازی دین کے قائل ہیں، قرآن مجید کے مقابل اپنی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، اور انہوں نے "حریم نبوت" میں نقب لگائی ہے۔ غامدی صاحب کے اس فتوائے کفر کی زد میں آنے والوں میں، حضرت امام غزالیؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہؒ جیسی ہستیاں ہیں۔

نادر عقیل انصاری صاحب کا مضمون غامدی صاحب کے اسی تکفیری رجحان کو قارئین کے سامنے لانے کی ایک کوشش ہے۔ (طارق محمود ہاشمی)۔

مسئلہ تکفیر: غامدی صاحب کا "جوابی بیانیہ"

نادر عقیل انصاری

ما جعل اللهُ لرجل من قلبين في جوفه
اللہ تعالیٰ نے کسی کے سینے میں دو دِل نہیں رکھے! (احزاب:۴)

جدید استعماری دور میں بہت سے لوگوں نے نئے فرقوں کی بناڈالی، اور "اظہار رائے کی آزادی" کے علم تلے اس کا جواز بھی پیش کیا۔ تکفیر کے مسئلے پر ان کا نقطہ نظر بالعموم داخلی طور پر شدید تضاد کا شکار رہا ہے۔ جدید فرقے اپنے وجود کے جواز کے حق میں اپنا استدلال مسلمان اُمت کے روایتی فکر کے نقص و خطا پر استوار کرتے ہیں۔ یعنی ان کے لیے لازم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی موجود علمی و دینی روایت کو کلی یا جزوی طور پر ردّ کریں، روایتی تعبیر کو غلط، اور گمراہیوں کا شکار بتائیں، اور عامۃ المسلمین کے عقیدہ و عمل کو ضلالت قرار دیں۔ اگر امت کے فکر و عمل درست ہوں تو نئے فرقوں کی ضرورت کا جواز کیسے ثابت ہو گا؟ اگر مسلمانوں میں اپنے دین سے معمولی غفلت پائی جاتی ہے، پھر تذکیر و تبلیغ اور تجدید و احیاء کی ضرورت ہے، نئے فرقے کی نہیں۔ چنانچہ تمام نئے گروہ امت کی تضلیل و تکفیر کے دعوے کی بنیاد پر کھڑے ہونے کے لیے مجبور ہوتے ہیں۔

لیکن اس کے نتیجے میں ایک اور مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ ہر نیا فرقہ جانتا ہے کہ دینی فکر میں جو نیا پیوند وہ لگا رہا ہے، جلد یا بہ دیر اُمت اس پر متنبہ ہو جائے گی، اور اپنا ردّ عمل ظاہر کرے گی [1]۔ اور اگر اس نووارد فرقے نے دینی عقیدہ و عمل میں بنیادی تبدیلیاں کی ہیں، تو بالآخر امت اس کی تکفیر و تضلیل کا فیصلہ کرے گی۔ اور جب امت یہ فیصلہ کر لیتی ہے، تو اس قسم کے فرقوں کی توسیع رک جاتی ہے، اور مزید مسلمان ان کا

---

[1] واضح رہے کہ بعض اوقات اس میں دیر لگتی ہے۔ عامۃ المسلمین کی سطح پر قادیانیوں کے بارے میں ایک درجے میں حسنِ ظن نصف صدی تک موجود رہا، جس کے نتیجے میں کچھ مسلمان قادیانی ہو گئے۔ سنہ ۹۲-۱۸۹۱ء میں مرزا غلام احمد قادیانی نے دعوی کیا کہ وہ "مسیح موعود" ہے۔ اس کے بعد، علماء نے سنہ ۱۸۹۰ء کی دہائی میں پہلی مرتبہ مرزا غلام احمد قادیانی کی تکفیر کا فتویٰ دیا تھا، جس میں برصغیر کے تمام مکاتب کے لوگ شریک ہوئے۔ سنہ ۱۹۳۲ء میں بہاولپور کی عدالت نے قادیانیوں کو کافر قرار دے دیا تھا۔ لیکن عامۃ المسلمین تک اس حقیقت کے موثر ابلاغ میں ایک مدت لگی، اور اسی دوران میں بعض عمائدین بھی غلط فہمی میں قادیانیوں کو مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ شمار کرتے رہے۔ جب اس معاملے میں حقیقت پوری طرح شائع و ذائع ہوئی اور علماء کا کام لوگوں تک پہنچ گیا، تو اس فتنے کا موثر سدّ باب ممکن ہوا، یعنی پھر یہ ممکن نہیں رہا کہ کوئی سادہ لوح مسلمان قادیانیوں کے دھوکے میں آ سکے۔

شکار نہیں ہوتے۔ اس خطرے کو ہر نیا مبتدع فرقہ پوری طرح سمجھتا ہے، اور مختلف طریقوں سے اس "خطرے" کی پیش بندی کرتا ہے۔ ان میں سے ایک مقبول حیلہ یہ ہے کہ سرے سے اس بات کا ہی انکار کر دیا جائے کہ امت کے پاس تکفیر کا اختیار ہے۔ چنانچہ مختلف دلائل سے ایک بیانیہ تیار کیا جاتا ہے کہ تکفیر حرام ہے، اور مسلمان اہل علم کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی پر کفر و ضلالت کا حکم لگا سکیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ نئے فرقے اس دائمی تضاد میں مبتلا رہتے ہیں: ایک جانب امت کی تکفیر میں فیاض ہوتے ہیں، لیکن اپنے خلاف تکفیر کو دین کے خلاف بتانے پر مجبور ہیں، بلکہ آگے بڑھ کر سرے سے تکفیر ہی کو دین میں ممنوع و حرام قرار دیتے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی، عبداللہ چکڑالوی، احمد الدین امر تسری، غلام احمد پرویز، وغیرہ، سب حضرات، عامۃالمسلمین کے دین کو درشت تنقید کا نشانہ بناتے ہیں، ان کو گمراہ، غیر مسلم اور کافر قرار دیتے ہیں، یا اپنی تحریروں میں یہ اشارے دیتے ہیں کہ تمام امت ترکِ اسلام کی مرتکب ہے، اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اصلاً اسی صورتِ حال کی اصلاح کے لیے یہ لوگ اُٹھے ہیں۔ لیکن دوسری جانب جب خود ان کی گمراہی و کفر زیرِ بحث آتا ہے تو بحث کرتے ہیں کہ "دین" میں کسی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ دوسرے کی تکفیر کر سکے! یہ رویہ دفاعی حکمت عملی کے لحاظ سے بڑی سمجھداری پر مبنی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سب سے زیادہ خطرہ مبتدعہ ہی کو ہوتا ہے کہ جلد یا بدیر ان کی تکفیر و تفسیق ہو گی۔ چنانچہ وہ اس کے خلاف پہلے ہی سے بند باندھنا شروع کر دیتے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے "مومنین" کے سوا تمام مسلمانوں کی تکفیر کی، لیکن جب مسلمانوں نے خود مرزا قادیانی اور قادیانی مذہب کو ماننے والوں کی تکفیر کی تو قادیانیوں نے اسے ظلم سے تعبیر کیا، اور اس احتجاج میں ماڈرن اسلام کے پیروکار — جو خود کفر کے فتووں کی زد میں ہیں — ان کے فطری حلیف ٹھہرے۔ جب قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی تحریک چلی، تو پہلے مرحلے میں پاکستان کی سیاسی قیادت نے اس میں پس و پیش کی، کیونکہ ان کا خیال تھا کہ ہمارے "تنگ نظر مولوی" ان "بے چارے قادیانیوں" کو بے سبب کافر سمجھتے ہیں۔ اس دوران پاکستان کی قومی اسمبلی میں فریقین کے نمائندوں کے مابین وہ مشہور بحث ہوئی جس کی رُوداد اب شائع ہو گئی ہے۔ اس کارروائی میں سیاسی قیادت پر یہ واضح ہوا کہ معاملہ یوں نہیں ہے کہ عامۃالمسلمین قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینا چاہتے ہیں، بلکہ سب سے پہلے تو خود قادیانیوں نے دیگر مسلمانوں کو کافر قرار دیا تھا۔ اس امر کی تصدیق ہوتے ہی پاکستان کی سیاسی قیادت نے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے میں ذرہ برابر دیر نہ کی۔ گویا وہی بات ہوئی جو علامہ سعدالدین تفتازانی رحمۃاللہ علیہ نے لکھی ہے: و قال الاستاد: نكفر من اكفرنا! ہمارے استاذ امام ابواسحٰق اسفرائینی رحمۃاللہ علیہ نے فرمایا: جو ہماری —یعنی ہماری ساری امت کی— تکفیر کرتا ہے، ہم اس کی تکفیر

کریں گے![2] قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: و كذا القطع بكفر من قال قولاً يتوصل به الى تضليل الامة، یعنی اسی طرح اس شخص کا کفر بھی قطعی ہے جس کے موقف کا نتیجہ یہ ہو کہ ساری امت گمراہ ٹھہرے۔[3]

یہی مسئلہ دیگر جدید فرقوں کے مسلک و موقف کی تحقیق و تعیین کا ہے۔ مبتدعہ فرقے اپنے موقف کو مبہم رکھ کر، "صحیح" اور "خالص اسلام" کی دعوت دیتے ہیں، یعنی "روایتی اسلام کی آلائشوں سے پاک اسلام"، تاکہ عامۃ المسلمین کے حسنِ ظن کا سوئے استعمال کریں۔ اگر آپ مرزا غلام احمد اور قادیانیوں سے کہیں کہ تم نے نبوت کا دعویٰ کر کے "ختم نبوت" کا انکار کیا ہے، تو وہ پلٹ کر جواب دیتے ہیں کہ ہم منکرینِ ختم نبوت نہیں ہیں، بلکہ عامۃ المسلمین ختم نبوت کے منکر ہیں، کیونکہ وہ ایک پرانے نبی (یعنی حضرت مسیح بن مریم علیہا السلام) کے تشریف لانے پر ایمان رکھتے ہیں! یہی معاملہ استعماری منکرینِ حدیث کا ہے۔ وہ اصول میں حدیث کو واجب العمل نہیں مانتے اور عملاً بھی انکار و تاویل کی روش اختیار کرتے ہیں، تاکہ شریعت اسلامیہ کے ان دینی احکام کی نفی کریں جو جدیدیت سے متصادم ہیں۔ لیکن اگر آپ جدید استعماری منکرین حدیث سے کہیں کہ تم منکر حدیث ہو، تو صاف انکار کرتے ہیں، اور اس کو "ظلم" سے تعبیر کرتے ہیں، بلکہ آگے بڑھ کر یہ ثابت کرنا شروع کرتے ہیں کہ اگر ہم منکر حدیث ہیں، تو تمہارے اسلاف —حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت امام شافعی، اور حضرت امام مالک رحمہم اللہ — بھی انکارِ حدیث کے مرتکب ہوئے ہیں، استغفر اللہ۔ ان فرقوں کے بارے میں یہ بات معلوم ہے کہ یہ اپنے حقیقی مسلک کا اخفاء کرتے ہیں۔ اسی طرح زنادقہ و باطنیہ وغیرہ کے بارے میں معلوم تھا کہ یہ لوگ اپنے حقیقی اعتقاد کو چھپاتے ہیں، ان کے بارے میں کئی فقہاء نے یہ سوال اٹھایا کہ اگر ارتداد میں ماخوذ ہوں تو کیا ان کی توبہ قبول کی جائے گی؟ کیونکہ معلوم ہے کہ وہ اقرار باللسان کے بعد بھی تصدیق بالقلب نہیں کرتے۔ لہذا بہت سے فرقوں کے بارے میں یہ رائے دی گئی کہ ان کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، اور جرم ثابت ہونے پر ارتداد کی سزا نافذ کر دی جائے گی، کیونکہ ان کی توبہ کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی یہ لوگ اپنے اصل عقائد کا اعلان کرنے کو مذہباً گناہ جانتے تھے، یا اعتقاداتِ فاسدہ کو تاویلاتِ رکیکہ کے پردے میں چھپاتے تھے۔ اس پس منظر میں یہ استدلال کس قدر بے بنیاد ہے، کہ جب تک قائل خود اقرار نہ کرے کہ وہ ختم نبوت کا یا حدیث کا منکر ہے، اس وقت تک اسے منکر ختم نبوت یا منکر حدیث نہیں کہا جا سکتا، خواہ قرائن اس کی کتنی ہی تائید کیوں نہ کرتے ہوں! یہ رائے علمی بد دیانتی کو جواز فراہم کرتی ہے، اور ان مبتدعہ کی حکمت عملی کا دفاع کرتی ہے اور عقائد فاسدہ کے اعلان کے بعد بے جا تاویل کی گنجائش پیدا کرتی ہے۔ ہر نیا فرقہ عامۃ المسلمین میں نفوذ چاہتا ہے، اور اس کے لیے اپنے حقیقی و بنیادی انحراف کی کڑوی گولی کو شکر پارہ بنا کر مسلمانوں کے گلے سے اتارنا چاہتا ہے، اُنہیں مختلف اسالیب کے پردوں میں چھُپاتا ہے، اور اپنے اُن عقائد

[2] علامہ سعد الدین تفتازانیؒ، شرح المقاصد (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۲۰۱۱ء)، جلد ۳، ص: ۴۶۱۔ مراد یہ ہے کہ جو تمام امت ہی کو کافر قرار دے، وہ خود لازماً عقیدہ و عمل کی ایسی فاش غلطی میں مبتلا ہو گا جو کفر تک پہنچتی ہو گی۔

[3] امام نووی رحمۃ اللہ علیہ، روضۃ الطالبین، جلد: ۱۰، صفحہ: ۷۰۔

کو دیانت داری سے بیان کرنے سے ہچکچاتا ہے، جو عامۃ المسلمین کے عقائد سے مختلف ہوتے ہیں۔ اہل علم کا کام یہ ہے کہ وہ اس تلبیس کا پردہ چاک کرتے رہیں۔ شرط یہ ہے کہ کہ یہ کام علمی طریق پر دیانت داری کے ساتھ کیا جائے۔

غامدی صاحب کا موقف

جاوید احمد غامدی صاحب اپنے متنازعہ "جوابی بیانیے" میں لکھتے ہیں:

> دنیا میں جو لوگ مسلمان ہیں، اپنے مسلمان ہونے کا اقرار، بلکہ اُس پر اصرار کرتے ہیں، مگر کوئی ایسا عقیدہ یا عمل اختیار کر لیتے ہیں جسے کوئی عالم یا علما یا دوسرے تمام مسلمان صحیح نہیں سمجھتے، اُن کے اِس عقیدے یا عمل کو غلط قرار دیا جا سکتا ہے، اُسے ضلالت اور گمراہی بھی کہا جا سکتا ہے، لیکن اُس کے حاملین چونکہ قرآن و حدیث ہی سے استدلال کر رہے ہوتے ہیں، اِس لیے اُنھیں غیر مسلم یا کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اِس طرح کے عقائد و اعمال کے بارے میں خدا کا فیصلہ کیا ہے؟ اِس کے لیے قیامت کا انتظار کرنا چاہیے۔ دنیا میں اِن کے حاملین اپنے اقرار کے مطابق مسلمان ہیں، مسلمان سمجھے جائیں گے اور اُن کے ساتھ تمام معاملات اُسی طرح ہوں گے، جس طرح مسلمانوں کی جماعت کے ایک فرد کے ساتھ کیے جاتے ہیں۔ علما کا حق ہے کہ اُن کی غلطی اُن پر واضح کریں، اُنھیں صحیح بات کے قبول کرنے کی دعوت دیں، اُن کے عقائد و نظریات میں کوئی چیز شرک ہے تو اُسے شرک اور کفر ہے تو اُسے کفر کہیں اور لوگوں کو بھی اُس پر متنبہ کریں، مگر اُن کے متعلق یہ فیصلہ کہ وہ مسلمان نہیں رہے یا اُنھیں مسلمانوں کی جماعت سے الگ کر دینا چاہیے، اِس کا حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے، اِس لیے کہ یہ حق خدا ہی دے سکتا تھا اور قرآن و حدیث سے واقف ہر شخص جانتا ہے کہ اُس نے یہ حق کسی کو نہیں دیا ہے (اسلام اور ریاست: جوابی بیانیہ)۔

غامدی صاحب کا موقف بہت واضح ہے۔ کسی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ اسلام کے کسی دعویدار کو "غیر مسلم" قرار دیں، نہ علماء کو نہ پوری امت کو۔ یہاں ہم اس پر گفتگو کریں گے کہ مسلمان پیدا ہونے والے لوگوں میں سے کسی فرد یا فرقے کے عقائد یا اعمال کی بنا پر، کیا یہ رائے دی جا سکتی ہے یا نہیں، کہ وہ دین کے دائرے سے باہر ہیں؟ دین میں —قرآن مجید اور احادیثِ مبارکہ میں—اس کا کیا حکم ہے؟ خود جاوید غامدی صاحب کا اس بارے میں علمی موقف کیا ہے؟ ان کے مکتبِ فکر کے اکابرین اس مسئلے میں کیا کہتے ہیں؟ بالخصوص ہم دیکھیں گے کہ مشہور استعماری منکر حدیث، چوہدری غلام احمد پرویز نے جب یہ دعوی کیا کہ علماء کو اختیار حاصل نہیں ہے کہ کسی کو غیر مسلم قرار دیں، تو غامدی صاحب کے اکابرین نے اس پر کیا رائے دی؟

قرآن مجید: کون سی آیت تکفیر کی تحریم و ممانعت کرتی ہے؟

پہلا سوال یہ ہے: دین کی کس نص میں کہا گیا ہے کہ ادعائے اسلام کے بعد کسی کی تکفیر کرنا ممنوع یا حرام ہے؟ انکارِ حدیث کی وجہ سے ان کے نزدیک یہ نص صرف قرآن مجید ہی میں ہو سکتی ہے۔ سو زیادہ درست سوال یہ ہے کہ قرآن مجید کی کون سی آیت میں تکفیر کی ممانعت یا حرمت بیان ہوئی ہے؟ دیکھ لیجیے، اپنے اس فتوے میں غامدی صاحب نے کوئی آیت پیش نہیں کی، اور نہ پیش کر سکتے تھے۔ محض اپنی رائے کو دینی موقف قرار دے رہے ہیں۔ ان کے کسی متبع نے بھی، جن میں سے اکثر مجتہد مطلق ہونے کا عندیہ دیتے ہیں، غامدی صاحب سے یہ نہیں پوچھا کہ: "حضرت! ہم تو آپ کی اتباع میں قرآن مجید کی حاکمیت کے قائل ہیں، اور حدیث کے منکر ہیں۔ لہذا اس دعوے کے حق میں کوئی نص قرآن مجید میں ہونی چاہیے تھی۔ وہ کہاں ہے؟" اصولی اعتبار سے ہر وہ شے جس کی ممانعت و حرمت نہیں کی گئی، مباح ہوتی ہے۔ اگر قرآن مجید کی کوئی آیت تکفیر سے مانع نہیں ہے، تو تکفیر مباح ہے۔ ان حضرات کو یہ اختیار کس نے دیا ہے کہ جس شے کو اللہ تعالیٰ نے ممنوع نہیں ٹھہرایا، اسے ممنوع قرار دیں؟ جس کام سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے نہیں روکا، اس کام کو غامدی صاحب کیسے ممنوع و مذموم قرار دے سکتے ہیں؟

کیا غامدی صاحب اس اصول سے واقف نہیں ہیں؟ ان سے حسنِ ظن کی بنا پر اُنہیں قلتِ علم کا فائدہ دیا جا سکتا تھا، لیکن انہوں نے اس کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ چنانچہ اس سوال سے دانستہ اعراض کرتے ہوئے، الٹی منطق پیش کرتے ہیں: "[تکفیر کا یہ حق] خدا ہی دے سکتا تھا اور قرآن و حدیث[4] سے واقف ہر شخص جانتا ہے کہ اُس نے یہ حق کسی کو نہیں دیا ہے"۔ یعنی، چونکہ قرآن و حدیث نے اس کی اجازت نہیں دی، لہذا یہ ممنوع ہے! یعنی اب اباحتِ اشیاء کے لیے بھی ان حضرات کے نزدیک قرآن مجید اور حدیث کی تصریحات درکار ہوں گی! یہاں انہوں نے اصول ہی الٹ دیا۔ گویا، الجبرا کی ایجاد بھی بدعت ہے، کہ قرآن مجید اس کی صراحتاً اجازت نہیں دیتا! یہ وہی داعش وغیرہ کا استدلال ہے کہ بچوں کو سکول بھیجنے کا حکم چونکہ قرآن مجید میں نہیں ہے، لہذا بچوں کو سکول بھیجنا حرام ہے!

غامدی صاحب قرآن مجید سے تکفیر کی حرمت کے حق میں تو کوئی استدلال نہیں کر سکے، لیکن دوسرے مفسرین نے قرآن مجید سے اس کی اباحت مستنبط کی ہے۔ اگر وہ اپنے اکابرین ہی کی تحقیقات غور سے پڑھ لیتے تو جان لیتے کہ "قرآن مجید سے یہ تعلیم نکلتی ہے" کہ

[4] قرآن مجید کے ساتھ "حدیث" کا لفظ استعمال کرنا ان کے فکری "ارتقاء" کا مظہر ہے۔ پہلے یہ "قرآن و سنت" ہی کی ترکیب استعمال کرتے تھے۔ جب ان کا انکارِ حدیث مشتہر ہوا، تو یہ احتیاط شروع کی۔ اس سے لوگوں کو یہ بتانا مطلوب ہے کہ ہم منکر حدیث نہیں ہیں۔ جاوید احمد غامدی صاحب استعماری انکارِ حدیث کی اس روایت کا حصہ ہیں جس کی ابتدا سر سید احمد خاں سے ہوئی تھی۔ آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ حدیث کے مقدس ذخیرے سے تکفیر کے مسئلے پر کیا رہنمائی ملتی ہے، لیکن جاوید غامدی صاحب انکارِ حدیث کی وجہ سے حدیث سے ملنے والی اس رہنمائی سے کیسے بے نیازی برتتے ہیں۔

تکفیر کرنا جائز ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے فرمایا ہے کہ آپ کفار کے لیے یہ اعلان فرمادیں: لا اعبد ماتعبدون۔ اس اعلان کے لیے "یا ایھا الکفرون" (سورہ کافرون:۱) کے الفاظ نازل کیے۔ یہ آیت اصلاً عہدِ رسالت ﷺ کے منکرین حق کو "کافرون" کہہ کر مخاطب کرتی ہے۔ اس سے تکفیر کے جواز پر بھی استدلال کیا گیا ہے۔ مخاطبین کی رعایت سے ہم یہاں فکر فراہی کے اکابرین میں سے امین احسن اصلاحی کی تفسیر سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں:

> [قل یایھاالکفرون] سے ہمارے لیے یہ تعلیم نکلتی ہے کہ جو چیز کفر یا شرک ہے اس کو کفر یا شرک بتانا اور اس سے لوگوں کو بچانے کی کوشش کرنا تو ہر مسلمان کی ہر لمحہ ذمہ داری ہے، لیکن کسی فرد یا گروہ کو کافر قرار دے کر اس سے اعلانِ برأت کرنا، یا اپنے جملہ روابط اس سے کاٹ لینا یا اس سے اعلانِ جنگ کر دینا بڑی احتیاط کا متقاضی ہے۔ خاص طور پر ان لوگوں کا مسئلہ بڑا مشکل ہے جو اپنی ہر گمراہی کو اسلام بنائے ہوئے ہوں، اور صحیح اسلام ان کے آگے پیش کرنے کا کوئی شرعی نظام موجود نہ ہو۔ اس طرح کے حالات میں صحیح راستہ یہی ہو سکتا ہے کہ آدمی غلطیوں اور گمراہیوں پر تنقید تو کرے، اور لوگوں کے ان افعال میں شرکت سے اجتناب بھی کرے جو شرکت [کذا؛ شاید "شرک" مراد ہے] وبدعت کی نوعیت کے ہوں، لیکن ان کو کافر قرار دے کر ان سے کلیتاً علیٰحدگی کا اعلان اس وقت تک نہ کرے جب تک اس کے لیے مجبور نہ ہو جائے، یا یہ باور کرنے کے لیے اس کے سامنے معقول وجوہ نہ آ جائیں، کہ اس نے لوگوں پر حق واضح کر دیا، اور یہ دوسری چیز نہایت مشکل ہے۔[5]

امین احسن اصلاحی کی اس تفسیر سے واضح ہے کہ ان کے نزدیک کسی کو کافر کہنا اسلام میں حرام نہیں ہے، بلکہ اس آیت سے "ہمارے لیے یہ تعلیم نکلتی ہے" کہ تکفیر جائز ہے، گو یہ ایک نازک معاملہ ہے، لہذا اس عمل میں انتہائی احتیاط درکار ہے، اور اس کی شرائط پوری کرنا نہایت مشکل ہے، لیکن انہوں نے اسے ناممکن نہیں کہا، نہ حرام و ممنوع کہا ہے۔ انشاءاللہ، آگے ایک فصل میں ہم مزید تفصیل سے امین احسن اصلاحی کا نقطۂ نظر نقل کریں گے، جس میں قادیانیوں اور منکرین حدیث کی تکفیر کے بارے میں ان کا موقف مزید نکھر کر سامنے آ جائے گا۔

اب تک کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ جاوید احمد غامدی صاحب نے اپنے استدلال کے حق میں قرآن مجید سے کوئی دلیل پیش نہیں کی جس سے صراحتاً تکفیر کی حرمت و ممانعت ثابت ہوتی۔ بلکہ امین احسن اصلاحی کی تفسیر سے معلوم ہوا، کہ قرآن مجید سے "ہمارے لیے یہ تعلیم نکلتی ہے" کہ تکفیر حرام نہیں ہے۔

---

[5] امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن (لاہور: فاران فاونڈیشن، ۲۰۰۶ء)، جلد:۹، صفحہ:۶۰۷۔ اس سورت کی تفسیر ۲۴/جون، سنہ ۱۹۸۰ء کو مکمل ہوئی۔

احادیث مبارکہ سے استدلال

منکرینِ حدیث نے اپنے آپ کو جس بڑی نعمت سے محروم کر رکھا ہے وہ نبی ﷺ سے مروی احادیثِ صحیحہ ہیں، جن کے بغیر خود "دین" کا کوئی مطلب باقی نہیں رہتا۔ منکرینِ حدیث خواہ اس سرمۂ چشم سے محروم رہنا چاہیں، عامۃ المسلمین کے لیے لازم ہے کہ آپ ﷺ کے ارشادات کو مد نظر رکھیں۔ دین سے متعلق بہت سے امور میں حتمی رہنمائی آپ ﷺ کے اُسوے ہی سے ملتی ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

إذا سمى الرجل الآخر كافرا ، فقد كفر أحدهما ، إن كان الذي قيل له كافر فقد صدق صاحبه كما قال له ، وإن لم يكن كما قال فقد باء الذي قال بالكفر۔[6]

نبی ﷺ نے فرمایا اگر کسی نے دوسرے کو کافر کہا، تو ان میں سے ایک نے کفر کیا۔ اگر دوسرا شخص واقعی کافر ہے تو اس کے ساتھی نے درست بات کہی، اور اگر وہ ایسا نہ تھا جیسا اس نے کہا (یعنی اگر وہ کافر نہ تھا) تو "کافر" کہنے والا کفر کے ساتھ لوٹا۔

یہ روایت حضرت امام بخاریؒ کی الادب المفرد سے ہے۔ ناصر الدین البانی نے اسے "صحیح" قرار دیا ہے[7]۔ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ[8] نے صحیحین میں[9]، امام محمد بن الحسن الشیبانی الحنفیؒ نے موطا امام محمد میں، امام احمدؒ نے مسند میں، امام ترمذیؒ نے جامع میں، اور محدث ابن حبانؒ نے الصحیح میں اس کے دیگر متون روایت کیے ہیں، جنہیں علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے "التمھید" میں جمع فرمادیا ہے[10]۔ امام بخاریؒ ایک اور روایت حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے لائے ہیں، کہ آپ ﷺ نے فرمایا: لا يرمى رجل رجلا بالفسوق، و لا يرميه

---

[6] امام بخاری، الادب المفرد، باب: ۲۰۵، حدیث: ۴۳۹ و ۴۴۰ (القاہرہ: المکتبۃ السلفیۃ، ۱۳۷۵ھ)، ۱۱۸۔ ابن زنبر ، عن مالك ، عن نافع ، عن ابن عمر۔

[7] ناصر الدین البانی، الصحیح الادب المفرد للامام بخاری، (المملکۃ العربیۃ السعودیۃ: مکتبۃ الدلیل، ۱۹۹۷ء)، صفحات: ۱۶۹ تا ۱۷۰۔

[8] صحیح مسلم، رقم: ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، کتاب الایمان، باب بیان حال ایمان من قال لاخیہ المسلم: یا کافر!

[9] عن ابی هريرة رضی الله عنہ: اذا قال الرجل لاخيہ: يا كافر! فقد باء بہ احدهما، اور عن عبدالله بن عمر رضی الله عنہ: ايما رجل قال لاخيہ: يا كافر: فقد باء بها احدهما۔ صحیح البخاری، رقم: ۶۱۰۳؛ اور ۶۱۰۴ ، كتاب الادب، باب من اكفر اخاه بغير تأويل فهو كما قال۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون پر جو باب باندھا ہے اس سے بھی واضح ہے کہ ان کے نزدیک مطلق تکفیر کی ممانعت نہیں ہے، بلکہ بغیر دلیل کے ایسا کرنا غلط ہے۔

[10] علامہ ابن عبد البرؒ، التمہید، دیکھیے: موسوعۃ شروح المؤطا مالکؒ، تحق: عبداللہ الترکی (مرکز الھجر للبحوث والدراسات العربیۃ والاسلامیۃ: قاہرۃ، ۲۰۰۵ء)، جلد ۲۳، ص: ۳۶۱، ومابعد۔

بالکفر، الا ارتدت علیہ، ان لم یکن صاحبہ کذالک[11]۔ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی شخص دوسرے کو فاسق کہے، یا تکفیر کرے، اور یہ تفسیق و تکفیر کہنے والے کی طرف نہ لوٹ آئے، الّا یہ کہ وہ شخص واقعی ایسا ہو۔ آپ ﷺ کے اس ارشاد سے بھی واضح ہے کہ جس شخص کی تفسیق و تکفیر کی گئی ہے، اگر وہ فی الواقع فاسق یا کافر ہے، تو پھر ایسا کہنے پر کوئی گرفت نہیں ہے۔

اس روایت کی رُو سے کسی مسلمان کو کافر قرار دینے پر پابندی نہیں ہے، بشرطیکہ وہ واقعی کافر ہو اور حکم کماحقہ احتیاطی تدابیر اور تحقیق کے بعد لگایا گیا ہو۔ چونکہ یہ نازک امر ہے، لہذا کامل احتیاط و تحقیق سے حکم لگانا چاہیے۔اور اگر حکم لگانے سے پہلے کماحقہ تحقیق و احتیاط سے کام لیا گیا ہو تو پھر یہ اجتہادی فیصلہ ہے جیسے مفتی و قاضی قاعدے میں رہتے ہوئے کرتے ہیں۔اجتہادی حکم کے بارے میں دین میں یہ اصول معلوم ہے کہ اگر درست اجتہاد ہوا، تو دہرا اجر ہے، ورنہ ایک اجر ملے گا۔ اگر حکم لاپرواہی سے، بلا تحقیق، یا عناد سے، یا جانتے بوجھتے لگایا گیا ہے، تو یہ کوئی اجتہادی امر نہیں ہے دین کے ساتھ مذاق ہے، اور اگر غلط ہوا تو کہنے والے کی طرف لوٹ جائے گا، یا بعض شارحین کے نزدیک دوسرے کے ایمان کی تکذیب کا، یا بے جا تکفیر کا گناہ قاذف کی طرف لوٹ آئے گا۔ چنانچہ بلا تحقیق یا جانتے بوجھتے یا عناد سے کسی مومن کو کافر کہا تو اس حرکت کے شنیع ہونے میں کوئی شک نہیں۔ لیکن اگر دینی امور کی انجام دہی کے لیے، احقاقِ حق کے لیے، بعد اجتہاد و احتیاط کے، کفر کا حکم لگایا تو یہ مباح ہے، بلکہ جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے، بعض شرائع کی تعمیل اس فیصلے پر موقوف ہے۔ شارحین اور مجتہدینِ امت نے بھی اس کے یہی معنی لیے ہیں۔ کسی نے یہ معنی نہیں لیے کہ سرے سے مرتد کی تکفیر ہی ناجائز ہے۔ حضرت امام محمد بن الحسن الشیبانی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت پر فرماتے ہیں: لا ینبغی لِاحد من اهل الاسلام ان یشهد علیٰ رجل من اهل الاسلام بذنب اذنبہ، و اِن عظم جرمہ۔ و هو قول ابی حنیفۃؒ و العامۃ من فقهائنا[12]۔امام محمدؒ کی بات کا مطلب یہ ہے کہ اس روایت میں مطلق کفر کا حکم لگانے کی ممانعت نہیں ہے، بلکہ محض گناہ کے ارتکاب کی بنا پر تکفیر کی ممانعت کی گئی ہے۔ اس سے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس موقف کی تائید ہوتی ہے کہ فاسق و فاجر کی تکفیر فقط فسق و فجور کے سبب نہیں کی جائے گی۔ تاہم، تکفیر کی مطلق ممانعت ان روایات سے متفرع نہیں ہوتی۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ان روایات کا مقتضیٰ یہ ہے کہ کہ اگر کسی نے

---

[11] صحیح بخاری، رقم: ۶۰۴۵، کتاب الادب، باب ما ینھی عن السباب واللعن۔

[12] امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمۃ اللہ علیہ، الموطا، رقم: ۹۱۹، تعلیق و تحقیق: عبدالوھاب عبداللطیف (بیروت: المکتبۃ العلمیۃ، ۱۹۶۳ء)، ۳۲۵۔

دوسرے کو فاسق یا کافر کہا اور وہ فاسق یا کافر نہ ہو، تو کہنے والا اس وصف کا مستحق ہو گا۔ لیکن اگر دوسرا شخص ویسا ہی ہے جیسا اسے کہا گیا ہے، تو کوئی شے کہنے والے کی جانب نہیں لوٹے گی، کیونکہ وہ حکم لگانے میں سچا ہے[13]۔

دوسری حدیث شریف حکمرانوں کے بارے میں ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ حکمرانوں کی اس وقت تک اطاعت کرو، اور ان کے خلاف جنگ نہ کرو جب تک ان میں کھلا کفر نہ دیکھ لو، جس کے حق میں تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح دلیل موجود ہو (الا ان تروا کفراً بواحاً عندکم من اللہ فیہ برھان)[14]۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں حکومت کے فیصلے کا انتظار نہیں کیا جائے گا، بلکہ اہل علم فیصلہ دیں گے کہ یہ حکمران معتقد و مرتکبِ کفر ہونے کی وجہ سے دائرۂ اسلام سے خارج ہو گیا ہے، اور "اولی الامر منکم"[15] کی اطاعت کا حکم اب اس شخص سے متعلق نہیں رہا۔ ایسے لوگوں کو مسلمانوں کے معاملات نہیں سونپے جا سکتے، کیونکہ ایک تو اولی الامر کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسلمان ہوں (منکم) اور دوسرے، اگر اُن کے ساتھ عامۃ المسلمین کا کوئی تنازعہ ہو جائے، تو معاملہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات کے سامنے پیش کیا جاتا ہے (فرُدّوہ الی اللہ والرسول)، اور یہ لوگ بوجہ کافر ہونے کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے تعلیمات کی پابندی قبول نہیں کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں حکمران طبقے کا، بالخصوص کلیدی مناصب پر متعین افراد کا، مسلمان ہونا ضروری ہے۔ اس حدیثِ پاک سے معلوم ہوا کہ اگر صریح دلائل موجود ہیں تو حکمرانوں کی تکفیر جائز ہے، لہذا تکفیر اسلام میں ممنوع نہیں ہے، جیسا کہ غامدی صاحب کا دعویٰ ہے۔

تیسری مثال نبی ﷺ کی وہ پیش گوئی ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ ایک ایسا گروہ آئے گا جس کی نماز اور روزوں کے سامنے تمہاری نماز اور روزے حقیر لگیں گے، وہ قرآن مجید کی تلاوت کریں گے لیکن قرآن مجید ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا، اور یہ لوگ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے (یمرقون من الدین مروق السھم من الرمیۃ)۔ اس حدیث سے واضح ہے کہ یہ لوگ اسلام ہی کے مدعی ہوں گے، بلکہ مسلمانوں سے زیادہ عبادت گزار ہوں گے۔ لیکن اس کے باوجود دین میں سے نکل جائیں

---

[13] امین احسن اصلاحی بھی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے یہی رائے دیتے ہیں۔ وہ تکفیر کو حرام یا ممنوع قرار نہیں دیتے، بلکہ کہتے ہیں کہ تکفیر بہت "خطرناک" کام ہے۔ ان کے خیال میں حدیث کی رُو سے، تکفیر کے فتوے مفتی کی جانب لوٹ آتے ہیں، لیکن فقط اس صورت میں "اگر کافر قرار دیے جانے والا آدمی کافر نہیں"! (امین احسن اصلاحی، تدبر حدیث: شرح موطا امام مالک، ترتیب: خالد مسعود اور سعید احمد (لاہور: ادارہ تدبر قرآن و حدیث، ۲۰۰۰ء)، ۵۰۲۔

[14] صحیح بخاری، کتاب الفتن، رقم: ۷۰۵۶؛ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، رقم: ۱۷۰۹۔

[15] قرآن مجید کا حکم ہے کہ صاحبانِ امر کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہوں، یعنی مسلمان ہوں۔ اس وصف کے ختم ہوتے ہی، حکمران کی اطاعت کا حکم رفع ہو جاتا ہے۔

گے[16]۔ چنانچہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عقائدِ فاسدہ کی وجہ سے ایسے شخص کو دین کے دائرے سے خارج کیا جا سکتا ہے، جو مسلمان ہونے کا مدعی ہے۔

چوتھی دلیل نبی ﷺ کا وہ ارشاد ہے جس میں آپ نے اسلام کی ابدی شریعت کے مطابق مرتد کی سزا بیان فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کر دو[17]۔ ظاہر ہے کہ اس سے پہلے اس کی ایمانی حالت کی تحقیق کر کے اس کی تکفیر کی جائے گی۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ کسی کے ایمان و کفر کی تحقیق کے بعد اس کی تکفیر جائز ہے۔

معاشرتی اور عدالتی امور میں کئی صورتیں ہیں جن میں حتمی نتیجے تک پہنچنے کے لیے تکفیر کا فیصلہ ناگزیر ہوگا۔ اگر کسی مسلمان کی اولاد منکر ختم نبوت ہو جائے، یا منکر قران ہو جائے، یا منکر حدیث ورسالت ہو جائے، تو باپ کی وفات کی صورت میں وراثت کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے، کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ کافر اور مسلمان ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔ جو منکر ختم نبوت یا منکر حدیث ورسالت ہو گیا، دیگر ورثاء اسے حصہ نہیں دیں گے۔ اگر مرتد فریق نے اصرار کیا، تو علماء و قاضی حضرات کو فیصلہ کرنا پڑے گا، کہ آیا یہ کافر ہو گیا ہے یا نہیں، سو تکفیر کا فیصلہ کرنا ہوگا۔ اگر کسی مرد کی بیوی، یا کسی عورت کا شوہر انکارِ ختم نبوت، یا انکارِ قرآن مجید، یا انکارِ حدیث ورسالت کر دے، اور تو اس کے نتیجے میں فسخِ نکاح کے معاملے پر تنازعہ ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے بھی یہ رائے قائم کرنی ہوگی کہ آیا فی الواقع یہ شخص یا عورت دائرۂ اسلام سے خارج اور کافر ہو گیا/گئی ہے یا نہیں۔ مساجد میں امامت کے مسئلے میں بھی یہی ہوگا۔ کافر مسلمانوں کی امامت نہیں کرا سکتا۔ لہذا اگر تنازعہ ہوگا، تو امام کے بارے میں فیصلہ کرنا پڑے گا کہ وہ مسلمان ہے یا کافر، یہاں بھی تکفیر کا عمل سرانجام دینا ہوگا۔ اسی طرح کی کئی اور صورتیں بھی ہو سکتی ہیں، جن میں شرعی احکام پر عمل کرنے سے پہلے، ایمان و کفر کا فیصلہ ناگزیر ہو۔ اب ظاہر ہے کہ جس شے پر اقامتِ شریعت موقوف ہو، وہ خود حرام یا ممنوع کیسے ہو سکتی ہے؟ کیا اب جاوید غامدی صاحب چاہتے ہیں کہ مسلمان خواتین قادیانیوں وغیرہ کے عقد میں رہیں، اور عامۃالمسلمین منکرینِ ختم نبوت اور منکرین حدیث ورسالت کی امامت میں نمازیں پڑھیں، کُفار مسلمانوں کے ترکے کے وارث بنیں، اور اہل اسلام اب قادیانیوں کے قبرستانوں میں دفن کیے جائیں گے؟

---

16 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے رویے سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ وہ تکفیر کے جواز کے قائل رہے ہیں۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے خوارج کے بارے میں فرمایا: قد كان هؤلاء مسلمين فصاروا كفارا، یعنی یہ لوگ مسلمان تھے، پھر کافر ہو گئے سنن ابن ماجہ، مقدمہ، رقم: ۱۷٦؛ جامع ترمذی میں بھی ہے (باب التفسیر، رقم: ۳۰۰۰) اور انہوں نے فرمایا: حدیث حسن۔ ابو عبداللہ محمد بن المرتضی الیمانی المشہور بابن الوزیر رحمہ اللہ علیہ نے اسی روایت سے تکفیر کے جواز پر استدلال کیا ہے اور فرمایا ہے: استناده حسن، دیکھیے: ايثار الحق على الخلق فی ردّ الخلافات الى المذهب الحق من اصول التوحيد (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۷ء)، ۳۸۲۔

17 صحیح بخاری، رقم: ٦۵۲۴۔

خلاصہ یہ کہ تکفیر کی مطلق ممانعت کے حق میں جاوید غامدی صاحب کے پاس قرآن مجید یا احادیثِ مبارکہ سے کوئی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ قرآن مجید سے تو تکفیر کی اباحت کی "تعلیم نکلتی ہے"، اور احادیث سے بھی اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ تمام امت اس کی قائل رہی ہے۔ دین کے بعض شرائع پر عمل کرنے کے لیے بھی تکفیر لابدی ہے۔ اور جس شے پر شرائع کی تعمیل موقوف ہو، وہ کیسے ممنوع ہو سکتی ہے؟ چنانچہ غامدی صاحب کے بیانیے کا یہ دعویٰ قرآن مجید کے بھی خلاف ہے، حدیثِ رسول ﷺ کے بھی، عملِ صحابہؓ کے بھی، اور امت کی اجماعی رائے کے بھی۔

غامدی صاحب کے اس دعوے پر مزید دو معروضات ہیں:

ایک یہ کہ خود جاوید احمد غامدی صاحب نے امت کے سوادِ اعظم کی تکفیر کی ہے، اس کی کیا توجیہ ہو گی؟ یعنی وہ ایک جانب تکفیر کے عدم جواز کے قائل ہیں، اور دوسری جانب خود بڑے پیمانے پر یہ کام کرتے ہیں۔ اس تضاد کو کیسے رفع کیا جائے گا؟

دوسرے، غامدی صاحب کے اکابرین میں سے امین احسن اصلاحی حرمتِ تکفیر پر غامدی صاحب سے یکسر مختلف نقطۂ نظر رکھتے ہیں، اور تکفیر کے نہ صرف قائل ہیں، بلکہ قادیانیوں اور منکرینِ حدیث کو دائرۂ اسلام سے باہر قرار دیتے ہیں۔ بالخصوص وہ اس مسئلے میں منکرین حدیث کے امام، غلام احمد پرویز کے موقف پر تنقید کر کے بتاتے ہیں کہ علماء کے پاس تکفیر کا اختیار نہ صرف موجود ہے بلکہ یہ ان کی اہم ذمہ داری ہے۔

اب ہم ان دونوں نکات کو تفصیل سے بیان کریں گے۔ لیکن پہلے نکتے کو بیان کرنے سے قبل دینِ اسلام اور اس کے مقابل دوسرے ادیان کے بارے میں چند مُسلّمہ امور کی تصریح ضروری ہے۔

دینِ حق اور دوسرے ادیان

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔ یہی قبول کیا جائے گا (و من يبتغ غير الاسلام ديناً فلن يقبل منہ، سورہ آل عمران: ۸۵)۔ اس کے مقابل، اس سے مختلف، اور اس کے متوازی ادیان بھی موجود ہیں۔ جیسے یہودیت، عیسائیت، ہندومت، وغیرہ۔ لیکن اسلام کا دعویٰ ہے کہ فقط وہی حق ہے، باقی ادیان باطل ہیں، اور مآل کار ان کے پیروکار آخرت میں فلاح نہ پا سکیں گے، اور جہنم کے مستحق ٹھہریں گے۔

اسلام اور دوسرے ادیان، جیسے جین مت اور عیسائیت وغیرہ، ایک دوسرے سے "مختلف" ہیں۔ یہ بات بالکل ظاہر ہے، کیونکہ دیگر ادیان اسلام کو حق نہیں مانتے، اور اسلام سے مختلف تعلیمات کے علم بردار ہونے کے سبب، عقائد و اعمال میں اپنی اپنی شناخت رکھتے ہیں۔ اسلام دیگر ادیان کو باطل اور حق سے انحراف قرار دیتا ہے۔ اہلِ اسلام اِن مختلف ادیان کو ماننے والوں کو دائرۂ اسلام سے باہر یعنی کافر سمجھتے ہیں، اور وہ لوگ مسلمانوں کو برسرِ باطل سمجھتے ہیں۔

اسلام اور یہودیت و ہندومت وغیرہ ادیان ایک دوسرے کے "مقابل" بھی ہیں۔ کیونکہ ان کی مغایرت کا واقعہ ان کو ایک دوسرے کا عین نہیں رہنے دیتا۔ اس وجہ سے بھی ان ادیان کے ماننے والے اسلام کے دائرے سے باہر ہیں، اور مسلمان انہیں کافر قرار دیتے ہیں۔

اسلام اور دوسرے ادیان ایک دوسرے سے "متوازی" بھی ہیں، کیونکہ دو مختلف متوازی خطوط کی تعریف یہ ہے کہ انہیں جانبین میں جس قدر بھی توسیع دی جائے، ان کا اتصال ناممکن ہوتا ہے۔ یعنی اسلام اور دوسرے ادیان کا کبھی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا، کچھ لو اور کچھ دو کی بنیاد پر یہ فاصلہ، یہ فرق، اور یہ مغایرت زائل نہیں کی جاسکتی، کیونکہ دونوں ابد تک ایک دوسرے سے جُدا اور منقطع رہیں گے۔ اور جو لوگ ایسے دین کو اختیار کر لیں، جو اسلام کے ساتھ سرے سے کوئی نقطۂ اتصال ہی نہیں رکھتا، وہ بدرجۂ اولی اسلام کے دائرے سے باہر ہیں۔

اسلام کے مقابل، اس سے مختلف، اور متوازی یہ تمام ادیان، چونکہ اسلام کے دائرے سے باہر ہونے کے وصف میں مشترک ہیں، اور مدت سے موجود رہے ہیں، اور عالم میں پھیلے ہوئے ہیں، لہذا غیر اسلامی ادیان ایک "عالمگیر ضلالت" ہیں، اور دینِ اسلام کے مقابل ایک علیحدہ ملت ہیں۔ تمام کفار اس اعتبار سے برابر ہیں کہ وہ اسلام کے مقابل "ایک عالمگیر ضلالت" کا حصہ ہیں۔

صراطِ مستقیم ایک ہی ہے، اور وہ دینِ اسلام ہے۔ اسی لیے سورہ فاتحہ میں بتایا ہے کہ صراط مستقیم ہی مطلوب ہے، اسی پر چلنے والے منعم ہیں، اور اس کے علاوہ لوگ گمراہ ہیں اور مغضوب علیہ ہیں (اهدنا الصراط المستقيم. صراط الذين انعمت عليهم، غير المغضوب عليهم و لا الضالين)۔ جو لوگ صراط مستقیم کے مقابل ایک اور راہ نکالتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے دین کو چھوڑ کر دوسرے دین کو اختیار کر لیتے ہیں اور ترکِ اسلام کے مرتکب ہیں۔ اسلام کی صراط مستقیم سے انحراف کر کے، کسی دوسری راہ کو اختیار کرنے والے لوگ ہی کافر اور جہنمی ہیں، چنانچہ قرآن مجید نے اسے مستحق جہنم ہونے کی وجوہ میں سے ایک وجہ قرار دیا ہے (ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولىَ ونصله جهنم و ساءت مصيرا، سورہ نساء:۱۱۵)۔ اور سورہ انعام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ میری صراط مستقیم ہے، اس پر چلو، دوسرے راستوں کو اختیار نہ کرو جو تمہیں اللہ کے راستے سے ہٹا دیں۔ نبی ﷺ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک دن آپ ﷺ نے زمین پر ایک خط کھینچا اور فرمایا یہ صراط مستقیم ہے۔ پھر کئی آڑے ترچھے خطوط کھینچے اور فرمایا ان میں سے ہر راہ پر ایک شیطان کھڑا تمہیں بُلا رہا ہے (مستدرک حاکم، مسند احمد، نسائی، ابن مردویہ، بزار)۔ مراد یہ ہے کہ صراط مستقیم ایک ہی ہے، دوسرے راستے سب کفر و ضلالت ہیں۔ مسلمانوں کا دعوی و ایمان ہے کہ وہ واحد صراط مستقیم ہمارا دین ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی گروہ ہماری صراط مستقیم کو چھوڑ کر نیا راستہ نکالے، اسے صراط مستقیم کہے، اور وہ پھر بھی مسلمان رہے۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے، تو یہ کفر ہو گا۔

اہل اسلام کے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے: قرآن مجید۔ جیسے یہودیوں کے پاس تورات اور مسیحیوں کے پاس انجیل تھی۔ اگر کوئی مسلمان قرآن شریف کو چھوڑ کر، کسی اور کتاب کو اختیار کرے، تو یہ شخص بھی دراصل اسلام کا انکار کرتا ہے، اور اسلام کے دائرے سے باہر نکل جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید خود کو حق کہتا ہے۔ پس جو قرآن مجید کو چھوڑ کر، کسی اور مختلف اور متوازی کتاب کو اختیار کر لے، ایسا شخص مسلمان کیسے رہ سکتا ہے؟ اور کفر و شقاوت میں اس سے بھی بڑھ کر وہ شخص ہے جو قرآن مجید، تورات، زبور اور انجیل کے مقابل خود ایک کتاب تصنیف کرے، اور لوگوں کو اس کی دعوت دے! ایسے لوگوں کے کافر ہونے میں کسی کو کوئی شک نہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی شریعت کے مقابل ایک اور شریعت تصنیف کرنے والے، اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے اسے لوگوں میں رائج کرنے کی کوشش کرنے والے بھی کسی طور مسلمان نہیں ہو سکتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ایک غلط بات منسوب کرنا دوزخ کا مستحق بنا دیتا ہے۔ تو ان کا کیا حال ہوگا جو ایک پوری کتاب اللہ کی طرف منسوب کریں، اللہ کے نام پر، پوری شریعت تصنیف کریں جو اپنے مقاصد میں شریعتِ اسلامیہ کے خلاف ہو، اور پھر اس کی طرف دعوت دیں، اور اسے خلقِ خدا میں رائج کرنے کی کوشش کریں، اور یوں ایک مکمل دین کی دعوت دیں، جو اللہ کے دین کے مقابل ہو، اس سے مختلف ہو، اور اس کے متوازی ہو؟ ایسے لوگوں کے دائرۂ اسلام سے باہر ہونے میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔

اسلام حق ہے، کسی قسم کی دوئی برداشت نہیں کرتا۔ یعنی یوں نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص مسلمان بھی ہو، اور اس کے ساتھ کسی دوسرے دین پر بھی ایمان رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ما جعل الله لرجل من قلبين فی جوفہ، یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں رکھے (سورہ احزاب: ۴)۔ دو یا زائد ادیان کا کوئی ملغوبہ یا معجون نہیں بنائی جا سکتی، اور اگر بنائی جائے گی تو وہ بھی کفر ہی ہو گی۔ اسی کا اعلان آیۂ "لكم دينكم و لی دين" (سورہ کافرون: ٦) میں کیا گیا ہے۔ مفسرین نے نقل کیا ہے کہ کفار نے نبی ﷺ کو پیشکش کی کہ کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ ہمارے دین کا کچھ حصہ قبول کر لیں، اور ہم آپ کے دین میں سے کچھ مان لیتے ہیں؟ مقاتل بن سلیمانؒ نے روایت کی ہے کہ قریش نے کہا: "و تدخل معنا فی بعض ديننا"، یعنی آپ ہمارے ساتھ ہمارے دین کے بعض کاموں میں شریک ہو جائیں[18]۔ زمخشری نے لکھا ہے کہ انہوں نے کہا: "هلم فاتبع ديننا و نتبع دينک، آپ ہمارے دین کی پیروی کریں ہم آپ کے دین کی۔ تعبد آلهتنا سنۃ و نعبد الٰهک سنۃ"۔ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پرستش کریں، دوسرے سال ہم آپ کے معبود کی پرستش کریں[19]۔ مفسر ثعلبیؒ نے یہ جملہ بھی نقل کیا ہے: "و ان كان الذی جئتنا بہ خيراً مما بايدينا كنا قد شركناک فيہ و اخذنا بحظنا منہ، و ان كان الذی بايدينا خيراً مما بيدک كنت قد شركتنا فی

---

[18] مقاتل بن سلیمان، تفسیر (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۳ء)، جلد: ۳، ص: ۵۲۹۔

[19] محمود بن عمر زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل (بیروت: دار الکتب العربی، ۲۰۰۸ء)، جلد ۴، ۶۱۳۔

امر نا"۔ یعنی دونوں ادیان کی تعلیمات میں سے جو شے جس کو بہتر لگے وہ اسے قبول کر لے، اور بنیادی مشورہ یہ تھا کہ فریقین دوسرے کے دین میں "شراکت" کر لیں[20]۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا "معاذاللہ"! اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ نہیں، آپ فرما دیجیے: لکم دینکم ولی دین۔ سو کوئی شخص دو مختلف ادیان بیک وقت قبول نہیں کر سکتا۔ غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ کوئی شخص دو کشتیوں میں پھر سوار ہو سکتا ہے، لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص اسلام کے ساتھ ساتھ کسی اور دین کو بھی مانے۔ ایسا کرتے ہی کافر ہو جائے گا۔ جو شخص مسلمان ہونے کے ساتھ مجوسی ہونے کا بھی مدعی ہو، درحقیقت نہ مسلمان رہتا ہے نہ مجوسی۔ چنانچہ مجوسی مذہب کے علماء کے نزدیک وہ مجوسی نہ رہا، اور مسلمانوں کے نزدیک وہ کافر ہو گیا۔ ایسے لوگوں کی تکفیر کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ترکِ اسلام کا اعلان کریں۔ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ان اھل القبلۃ یجوز تکفیرھم و ان لم یخرجوا عن القبلۃ، وانہ قد یلزم الکفر بلا التزام و بدون ان یرید تبدیل الملۃ۔[21]

ماضی کے بعض مبتدعہ فرقوں نے کہا کہ اسلام اور کفر کے مابین بھی ایک مقام ہے۔ یعنی ایسا ممکن ہے کہ کوئی شخص اسلام اور کفر کے درمیان معلق ہو۔ اسے "منزلۃ بین المنزلتین" کا عقیدہ کہتے ہیں۔ یہ عقیدہ معتزلہ کے اصولِ خمسہ میں شامل تھا۔ اس عقیدے کو امت نے بالاجماع مسترد کر دیا، اور کہا کہ انسان یا مسلمان ہوتا ہے، یا نہیں ہوتا، درمیان میں کوئی مرتبہ نہیں ہے۔ یہ بات اسلام کے ساتھ خاص نہیں۔ مذاہب کا مطالعہ کرنے والوں نے کہا ہے کہ کوئی شخص بیک وقت دو مذاہب میں قیام نہیں کر سکتا۔ اس کی وجہ ہر مذہب کا یہ دعویٰ ہے کہ حق اسی کے پاس ہے۔ کوئی مذہب "شرکت میانۂ حق و باطل" کو قبول نہیں کرتا۔

اگر کوئی اسلام کے شعائر کو ظاہر کرے، لیکن دینی عقائد کو ڈھکے چھپے طریقے سے ایسے عقائد کے ساتھ خلط ملط کرے (اَبطنَ) جو بالاتفاق کفر ہیں، اس کو زندیق کہتے ہیں۔ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ہو سکتا ہے نبی ﷺ کی نبوت کا اقرار اور شعائر اسلام کا اظہار کرنے کے ساتھ ساتھ ایسے عقائد میں ملوث ہوں جو بالاتفاق کفر ہیں، لہذا علامہؒ نے انہیں بھی کفار میں شمار کیا ہے[22]۔ یہاں پر "ابطان" کا مطلب کتمان نہیں ہے بلکہ مراد ہے ایسے عقائد کا حامل ہونا، جو اسلام کے عقائد کے خلاف ہوں، خواہ ان کا قائل مسلمان ہونے کا مدعی ہو۔ یعنی اس شخص کے ہاں دو یا دو سے زیادہ ادیان خلط ملط ہوں۔ ایسی صورت میں، اسلام کا اعلان کرنے کے باوجود، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں: و حکم المجموع من حیث المجموع الکفر لا غیر۔ یعنی اسلام اور کسی اور دین

---

[20] ابو اسحق الثعلبی، الکشف والبیان (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۴ء)، جلد: ۶، صفحہ: ۵۷۰۔

[21] علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، اکفار الملحدین فی ضروریات الدین (بیروت: دار البشائر الاسلامیہ، ۲۰۱۰ء)، ۴۸۔

[22] علامہ سعد الدین تفتازانی، شرح المقاصد (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۲۰۱۱ء)، جلد: ۳، صفحہ: ۴۶۰۔

کے ایسے ملغوبے پر بھی کفر ہی کا حکم لگے گا[23]۔ دین سے خروج کے لیے اسلام کو علانیہ ترک کر کے کسی دوسرے دین میں داخل ہونا ضروری نہیں۔ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃاللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ علامہ ابن جریر طبری رحمۃاللہ علیہ نے اس معاملے پر اُس مشہور حدیث سے استدلال کیا ہے، جسے امام بخاری رحمۃاللہ علیہ اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے، اور جسے اکثر علماء نے خوارج سے متعلق جانا ہے۔ لکھتے ہیں: اس روایت کے مطابق، جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ ایک گروہ آئے گا جس کے آگے تمہاری نمازیں، روزے اور تلاوت ہیچ ہوں گے، لیکن وہ دین میں سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ یہ لوگ اسلام ہی کے قائل ہوں گے، لیکن اس کے باوجود، اپنے فاسد عقائد و اعمال کی وجہ سے دین سے نکل جائیں گے۔ یہ ضروری نہیں کہ تکفیر اسی کی ہو سکتی ہے، جو جانتے بوجھتے، قصداً، علانیہ دین کو ترک کرے۔[24]

خلاصہ یہ ہے کہ اگر امت مسلمہ کا کوئی فرد اسلام کا دعویٰ کرنے کے ساتھ ساتھ، اسلام کے مقابل، اس سے مختلف اور اس کے متوازی دین کو مانتا ہو، اسلام کے مقابل ایک عالم گیر ضلالت پر ایمان لائے، قرآن مجید کے مقابل کسی اور کتاب کو مانتا ہو، اسلام کے مقاصد کے خلاف پوری شریعت تصنیف کرے، اسے اللہ کی جانب منسوب کرے، اس کی دعوت دے، اور اسے دین میں رائج کرنے کی کوشش کرے، بیک وقت دو یا زیادہ ادیان کو مانتا ہو، تو اس کے بارے میں کسی کو شک نہیں ہے کہ وہ دائرۂ اسلام سے نکل گیا۔

جاوید احمد غامدی کا تکفیری موقف

جاوید احمد غامدی صاحب نے جب امت کے عظیم قائدین، علماء، صوفیاء، اور مجتہدین و مجددین سے اپنا اختلاف بیان کیا تو یہ نہیں کہا کہ "میں ان کی تعبیرات دینیہ سے اختلاف رکھتا ہوں، یہ نہیں کہا کہ یہ میری اجتہادی رائے ہے، اور صوفیاء کی رائے میں صحت، اور میری رائے میں خطا کا احتمال ہے!" اس کی بجائے وہ متشددانہ انتہاپسندی کی آخری حدوں پر پہنچ گئے، اور انہیں دین کے دائرے ہی سے نکال دیا۔ لکھتے ہیں:

> "[تصوف] اُس دین کے اصول و مبادی سے بالکل مختلف ایک متوازی دین ہے، جس کی دعوت قرآن مجید نے بنی آدم کو دی ہے۔"[25]

---

[23] علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃاللہ علیہ، اکفار الملحدین فی ضروریات الدین (بیروت: دار البشائر الاسلامیہ، ۲۰۱۰ء)، ۳۸۔

[24] علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃاللہ علیہ، اکفار الملحدین فی ضروریات الدین (بیروت: دار البشائر الاسلامیہ، ۲۰۱۰ء)، ۵۴۔

[25] جاوید احمد غامدی، برھان (لاہور: المورد، ۲۰۰۹ء)، ۱۸۱۔

"اس باب میں قران مجید کی اس صراط مستقیم سے انحراف کے بعد، جس میں نہ ممکن کے لیے وجود کا اثبات کوئی شرک ہے، اور نہ موجود یا مشہود صرف اللہ ہی کو قرار دینا توحید کا کوئی مرتبہ ہے، اہل تصوف نے جو راہ اختیار کی ہے، یہ سب اسی کے احوال و مقامات ہیں"۔[26]

"اپنشد، برہم سوتر، گیتا، اور فصوص الحکم کو اس دین میں وہی حیثیت حاصل ہے جو نبیوں کے دین میں تورات، زبور، انجیل، اور قرآن [مجید] کو حاصل ہے"۔[27]

[صوفیاء کرام نے] "حریم نبوت میں نقب" لگائی ہے۔[28]

"ایک پوری شریعت ہے جو خدا کی شریعت سے آگے اور قرآن و سنت سے باہر، بلکہ ان کے مقاصد کے بالکل خلاف ان اہلِ تصوف نے طریقت کے نام سے رائج کرنے کی کوشش کی ہے"۔[29]

"اسلام کے مقابلے میں تصوف ایک عالمگیر ضلالت ہے"۔[30]

جاوید احمد غامدی صاحب کے ان دعاوی سے واضح ہے کہ اُن کے نزدیک یہ لوگ —یعنی صوفیائے کرام اور تصوف کے تمام قائلین، اور ان کا احترام کرنے والے اور پیروی کرنے والے—سب دائرۂ اسلام سے خارج ہیں کیونکہ:

۱۔ صوفیائے کرام کا دین ہمارے دین سے الگ ہے۔

۲۔ یہ لوگ "اسلام سے بالکل مختلف دین" کو مانتے ہیں۔

۳۔ یہ لوگ "اسلام کے مقابل دین" کو مانتے ہیں۔

۴۔ یہ لوگ "اسلام کے متوازی دین" کو مانتے ہیں۔

۵۔ انہوں نے اللہ کی کتاب قرآن مجید کے مقابل اپنی کتاب لکھی ہے۔

۶۔ یہ اللہ کی کتاب کے مقابل ایک اور کتاب کو مانتے ہیں۔

۷۔ یہ لوگ عقائد میں قرآن مجید کی صراط مستقیم سے منحرف ہیں۔

۸۔ انہوں نے حریم نبوت میں نقب لگائی ہے۔

---

[26] برھان، ۱۸۸۔

[27] برھان، ۱۹۲۔

[28] برھان، ۱۹۹۔

[29] برھان، ۲۰۹۔

[30] برھان، ۱۹۲۔

۹۔ یہ لوگ اسلام کے مقابل ایک عالم گیر ضلالت میں مبتلا ہیں۔

جو ان اوصاف کا حامل ہو وہ دائرۂ دین سے خارج ہوتا ہے۔ یہی تکفیر ہے۔ ان فتاویٰ کی کوئی اور تاویل کرنا ان فتاویٰ کی شناعت میں اضافہ ہی کرے گا۔ نہ صرف یہ تکفیر ہے، بلکہ تکفیر سے بدتر ہے۔ یہاں غامدی صاحب یہ بھی فراموش کر گئے کہ خود لکھ رہے ہیں کہ جو لوگ "قرآن مجید اور احادیث مقدسہ سے استدلال کرتے ہوں" ان کی تکفیر نہیں کی جا سکتی۔ امام غزالی اور مجدد الف ثانی رحمہا اللہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ اسمٰعیل بھی قرآن و حدیث ہی سے استدلال کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود غامدی صاحب نے انہیں معاف نہیں کیا۔ معافی کا یہ جواز فقط قادیانیوں کے لیے ہے!

صوفیائے کرام: جن کے ناموں کی تصریح غامدی صاحب نے کی ہے

اپنے اس تکفیری فتوے میں جاوید احمد غامدی صاحب نے جن حضرات کے ناموں کی تصریح کی ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ حجت الاسلام امام ابو حامد غزالی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ۔ تقریباً تمام امت ان کو امام مانتی ہیں۔

۲۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ۔ برصغیر کے تقریباً تمام مسلمان انہیں اپنا پیشوا سمجھتے ہیں۔

۳۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی الظاہری رحمۃ اللہ علیہ۔

۴۔ شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، مصنف فتوح الغیب وغنیۃ الطالبین۔

۵۔ حضرت شیخ علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ، مصنف کشف المحجوب۔

۶۔ حضرت شیخ ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ، مصنف رسالۂ قشیریہ۔

۷۔ حضرت ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ، مصنف قوت القلوب۔

۸۔ شیخ الاسلام ابو اسمٰعیل ہروی حنبلی رحمۃ اللہ علیہ، مصنف منازل السائرین۔

۹۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ۔

۱۰۔ شیخ ابو حفص عمر بن محمد شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ، مصنف عوارف المعارف۔

۱۱۔ شاہ ولی اللہ بن عبد الرحیم محدث دہلوی، مصنف حجۃ اللہ البالغہ، ہندوستان کے تقریباً تمام مکاتب فکر ان کی دینی سیادت پر متفق ہیں۔

۱۲۔ شاہ محمد اسمٰعیل، مصنف عبقات و تقویۃ الایمان، جنہیں اہل حدیث حضرات اپنے قائدین میں شمار کرتے ہیں، اور بعض دیوبندی حضرات بھی۔

۱۳۔ مولانا رشید احمد گنگوہی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ۔

اس فہرست سے واضح ہے کہ امت کے تقریباً تمام مکاتب فکر اس تکفیر کی زد میں آ گئے ہیں۔

غامدی صاحب کا فتویٰ: تکفیر سے اشد

جاوید غامدی صاحب کا یہ فتویٰ تکفیر کے عام فتاویٰ کے مقابل اپنی شدتِ شناعت میں بڑھ کر ہے۔ اس کی چار وجوہ ہیں:

پہلی وجہ: کسی مسلمان فرد یا گروہ کی تکفیر ایک بات ہے، اور تقریباً پوری امت مسلمہ کی تکفیر اس سے کہیں زیادہ شنیع کام ہے۔

دوسری وجہ: جاوید غامدی صاحب کا یہ فتویٰ تکفیر سے اس لیے بھی بدتر ہے، کہ کوئی مبتدع اور گمراہ فرقہ ایک دو معاملات میں ضروریاتِ دین کا منکر ہوتا ہے، جب کہ غامدی صاحب کے نزدیک صوفیائے کرام دینِ حق سے مختلف اور متوازی دین کے پیروکار ہیں۔ مبتدع فرقوں کی ابتدا چونکہ مسلمانوں میں ہوئی ہوتی ہے، لہذا ان میں اور مسلمانوں میں بہت سے امور مشترک ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب جمہور نے خوارج کی تکفیر کی تو اس کے باوجود اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عبادات و عقائد کے اکثر امور میں، خوارج عامۃ المسلمین سے اشتراک و اتصال رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خوارج کی تکفیر میں ہمارے علماء میں اختلاف ہوا۔ جب کہ صوفیائے کرام کے بارے میں جاوید غامدی صاحب کا فتویٰ یہ ہے کہ یہ ائمہ مسلمین اسلام سے مختلف اور اس کے مقابل "ایک متوازی دین" کو مانتے ہیں۔ ابتدا میں ہم نے واضح کیا تھا کہ متوازی کا مطلب یہ ہے کہ اگر دو خطوط متوازی ہوں، تو انہیں جانبین میں جتنی بھی توسیع دی جائے، ان کا اتصال غیر ممکن ہوتا ہے۔ سو یہ تکفیر کی شنیع ترین قسم ہے، کیونکہ مُکفَّر میں، اور باقی ماندہ مسلمانوں میں (جن میں بس غامدی صاحب کا گروہ ہی بچتا ہے!) ادنیٰ درجے کا اشتراک و اتصال بھی ممکن نہیں ہے۔ اپنے فرقے کے علاوہ دیگر مسلمانوں کو بحیثیت مجموعی کافر قرار دینا وہ متشدد طرزِ عمل ہے جو خوارج، قادیانیوں، پرویز جیسے منکرینِ حدیث اور داعش کے پیشواؤں میں ظاہر ہوا، جس سے جاوید احمد غامدی صاحب اور ان متشدد گروہوں کے مابین ایک پہلو سے گہرا فکری اشتراک نمایاں ہوتا ہے۔

تیسری وجہ: جاوید غامدی صاحب کا یہ تکفیری فتویٰ تقریباً پوری امت کو محیط ہے۔ یہ فقط ان اصحاب کو نشانہ نہیں بناتا، جن کے نام صراحتاً لیے گئے ہیں، بلکہ خود "تصوف" کو اسلام کے مقابل ایک مختلف، متوازی دین، اور "عالمگیر ضلالت" قرار دیتا ہے۔ غامدی صاحب کے بقول اس "متوازی دین" کے ائمہ نے قرآن مجید کے مقابل ایک کتاب لکھی اور اسے قرآن مجید کی بجائے اپنا مقدس صحیفہ قرار دیا، اور ایک پوری شریعت اسلام کے مقابل تصنیف کی۔ اس طرح در اصل جاوید احمد غامدی صاحب تقریباً پوری امت مسلمہ کو دین کے دائرے سے خارج کر دیتے ہیں۔ اول تو جن حضرات کے ناموں کی صراحت کی ہے، ان پر غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ یہ حضرات تقریباً تمام امت کی نمائندگی کرتے ہیں۔ پھر یہ فہرست مکمل نہیں ہے، یعنی جن لوگوں کو، جاوید احمد غامدی صاحب نے اسلام سے مختلف، اسلام کے مقابل اور متوازی دین کا پیروکار قرار دیا ہے، جن کے بارے میں کہا ہے کہ ان کی کتاب بھی قرآن مجید سے الگ ایک کتاب (یعنی فصوص الحکم لابن عربیؒ) ہے، جو لوگ صراطِ مستقیم کے مقابل پوری شریعت تصنیف کر کے اس کی دعوت دیتے ہیں تاکہ امت میں رائج ہو جائے، اور ایک عالمگیر ضلالت میں مبتلا ہیں، وہ لوگ اس فہرست میں محصور نہیں ہیں، بلکہ اس فہرست میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو تصوف کے

قائل ہیں، خواہ ان کا نام انہوں نے لیا ہو یا نہ لیا ہو۔ اور یہ معلوم ہے کہ تقریباً تمام امت تصوف کی قائل رہی ہے، یا تصوف کے قائلین کی متبع ہے۔ مثلاً برصغیر کے مسلمان (دیوبندی، بریلوی، اور حضرات اہل حدیث) سب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو اپنے ائمہ میں شمار کرتے ہیں۔ یہی دونوں حضرات جاوید احمد غامدی کے بقول دائرۂ دین سے خارج ہیں۔ اور اگر یہ دونوں حضرات دینِ اسلام کے دائرے سے باہر ہیں، تو برصغیر کی اکثر مسلمان بھی انہیں کے عقائد پر ہونے کی وجہ سے دین سے خارج ہو جائیں گے۔ اسی پر مشرق وسطیٰ، مشرقی ایشیا، اور مغرب وغیرہ کو قیاس کر لیں، جہاں کے مسلمانوں کی ایک عظیم اکثریت خود کو تصوف کے قائلین کے متبعین میں شمار کرتی ہے، اور شیخ اکبر ابن عربی، شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہا اللہ جیسے صوفیاء کو دین میں روشنی کا مینار سمجھتی ہے۔ اس طرح غامدی صاحب کے فتوے کے نتیجے میں تقریباً تمام امت دین کے دائرے سے خارج ہو گئی۔

چوتھی وجہ: جاوید غامدی صاحب کا یہ فتویٰ تکفیر کی شنیع تر صورت اس وجہ سے بھی ہے، کہ یہاں امت کے اساطین و زعماء ان کے غضب کا نشانہ بنے ہیں۔ اس فہرست میں شامل لوگوں کے مقام اور مرتبے کو دیکھیے۔ جن بڑی شخصیات کی تکفیر غامدی صاحب فرما رہے ہیں، عامۃ المسلمین کے نزدیک نہ صرف وہ مسلمان ہیں، بلکہ مسلمانوں کے مجددین اور ائمہ میں سے ہیں، اور زمین پر دینِ اسلام کی نشانیاں سمجھے جاتے ہیں۔ یہ ہما شما کی تکفیر نہیں ہے، بلکہ اصلاً ائمۃ المسلمین کی تکفیر ہے۔ اگر ائمۃ المسلمین کی اکثریت ہی کافر ہے، تو ان کے معتقدین جو امت کی ایک عظیم اکثریت ہیں، وہ بھی کافر ہو گئے۔ اسی کو عامۃ المسلمین کی تکفیر کہتے ہیں۔ اس اعتبار سے جاوید غامدی صاحب کا فتویٰ ایک امر عظیم ہے، اور عامۃ المسلمین اور جاوید احمد غامدی کے فرقے کے مابین بُعدِ عظیم پر دلالت کرتا ہے۔ استغفر اللہ۔

"آپ اپنے دام میں"

جب جاوید غامدی صاحب عامۃ المسلمین کے دین کو اسلام کے متوازی، مقابل، اور اس سے مختلف ایک دین قرار دیتے ہیں، جس کی کتاب بھی قرآن مجید کی بجائے کوئی اور ہے اور پوری شریعت بھی اور ہے، تو اس کا کیا یہ مطلب نہیں نکلتا کہ جاوید غامدی صاحب دراصل یہاں اپنے " دین" کی تفصیل بیان فرما رہے ہیں؟ یعنی غامدی صاحب کا "دین" عامۃ المسلمین سے مختلف، مقابل، اور متوازی دین ہے، اور غامدی صاحب کا "دین"، اُن کی "کتاب" اور اُن کی "شریعت" عامۃ المسلمین کے دین، کتاب، اور شریعت سے متوازی اور مختلف ہے؟ جب دو خطوط متوازی ہوتے ہیں، تو جس قدر خط الف خط ب سے مختلف، مقابل اور متوازی ہوتا ہے، اسی قدر خط ب خط الف سے مختلف، مقابل، اور متوازی ہوتا ہے۔ اگر جاوید غامدی صاحب کے نزدیک عامۃ المسلمین کا دین جاوید غامدی صاحب کے دین کے متوازی اور اس سے مختلف ہے، تو اسی قدر عامۃ المسلمین کے نزدیک بھی جاوید احمد غامدی صاحب کا دین عامۃ المسلمین کے دین کے متوازی اور مختلف ہے۔ چنانچہ اگر عامۃ المسلمین اپنی تکفیر کے جواب میں پلٹ کر جاوید غامدی صاحب کو کہیں کہ آپ کا دین ایک متوازی، متقابل، اور مختلف دین ہے، اور آپ ہماری کتاب و شریعت سے بالکل مختلف چیزوں کو اپنی کتاب و شریعت کہتے ہیں، اور ہمارے مقابل ایک عالمگیر ضلالت کے علم بردار ہیں،

تو جاوید غامدی صاحب کے پاس کیا عذر ہو گا؟ یہ تو اُن ہی کے فتوے کی صدائے بازگشت ہو گی۔ لہذا اگر غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ جاوید غامدی صاحب کا یہ استنباط اپنے نتائج میں اسی قدر بھیانک ہے، اور آپ ﷺ کے اس ارشاد کی تذکیر کر رہا ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر تم کسی مسلمان کو کافر کہو گے، جو در اصل کافر نہ ہو، تو وہ یہ بات تمہاری ہی طرف لوٹ آئے گی، او کما قال۔ ایسے لوگوں کے بارے میں، جو اسلام ہی کے مدعی ہوتے ہیں، علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اس کے ساتھ ساتھ ان کے کلام میں، عظماء اسلام کی تکفیر کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے؛ اللہ زبردست، انتقام لینے والا ہے!": لکن کلامهم يموج بتكفير عظماء اهل الاسلام، و الله عزيز ذو انتقام۔[31] اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: و كذا القطع بكفر كل من قال قولاً يتوصل به اِلى تضليل الامة، اور اسی طرح وہ شخص قطعی کافر ہے جس کی بات کا نتیجہ یہ ہو کہ پوری امت گمراہ ہے[32]۔ امام نوویؒ نے فرمایا "یتوصل به الی تضلیل الامۃ"، یعنی گو صراحت سے امت کی تضلیل نہ کی ہو، لیکن بات کا نتیجہ یہی نکلتا ہو کہ پوری امت گمراہ ہے، تو ایسا شخص بھی کافر ہے۔

امین احسن اصلاحی اور مسئلۂ تکفیر

دوسری بات یہ ہے کہ اس معاملے میں "استاذ امام" امین احسن اصلاحی کی رائے بھی جاوید احمد غامدی صاحب کے خلاف ہے۔ امین احسن اصلاحی کا یہ موقف ہم ان کی تحریروں سے پیش کرنا چاہتے ہیں، تاکہ "دبستانِ شبلی" کے متبعین کے ذہنوں میں اس امر کو ایک مرتبہ پھر تازہ کیا جا سکے کہ ان کے اکابرین بھی اس "فتنۂ تکفیر" میں برابر کے شریک تھے، اور مسلمانوں میں "مذہبی انتہا پسندی اور دہشت گردی" کی جس روایت کی ذمہ داری اب یہ منکرین حدیث، اسلام کی کلاسیکی روایت پر ڈال رہے ہیں، اور "دہشت گردی کا مولود فسانہ" قرار دے رہے ہیں، اس میں ان کے اپنے اکابرین بھی پوری طرح شریک رہے ہیں۔ دوسرے، اس سے یہ بھی واضح ہے کہ یہ دعویٰ کہ علماء کے لیے یہ سرے سے جائز ہی نہیں ہے کہ وہ کسی کی تکفیر کر سکیں، پہلے بھی منکرینِ حدیث کے ایک قائد، غلام احمد پرویز نے پیش کیا تھا، جس کو امین احسن اصلاحی ردّ کر رہے ہیں۔ امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں کہ منکرینِ حدیث کو چاہیے کہ وہ:

> یہ موقف اختیار نہ کریں کہ علماء کو کسی پر کفر کا فتویٰ لگانے کا حق نہیں ہے۔ اس امر میں تو شبہ نہیں کہ اسلامی نظام میں کسی کے کفر وارتداد پر اس کو سزا دینا حکومت کا کام ہے، لیکن یہ بتانا کہ کیا چیز کفر ہے اور کیا چیز اسلام ہے، ہر حال میں علماء ہی کی ذمہ داری ہے۔ یہ ذمہ داری ان پر اللہ اور رسولؐ کی طرف سے ڈالی گئی ہے۔ اگر وہ اس کو ادا نہ کریں گے تو اس کے لیے وہ عنداللہ ذمہ دار ٹھہریں گے۔ یہ ذمہ داری یوں تو ان پر ہمیشہ رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی، لیکن خاص طور پر اس زمانہ میں تو اس کے تنہا حامل وہی ہیں، اس لیے کہ اس دور میں مسلمان حکومتوں کو لوگوں کے کفر وایمان کے معاملہ سے کوئی تعلق باقی ہی نہیں رہ گیا ہے۔ وہ یا تو سیکولرازم کے پردے میں غیر جانب دار بن کر بیٹھ گئی ہیں، یا پھر مغربیت کے زیر اثر آزادی و بے قیدی کی سرپرستی کر رہی ہیں۔ ایسی صورت میں اگر علماء بھی لوگوں کی ہدایت وضلالت

---

[31] علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ، شرح المقاصد، جلد: ۳، صفحہ: ۴۶۳۔

[32] امام نووی رحمۃ اللہ علیہ، روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین (بیروت: المکتب الاسلامی، ۱۹۹۱ء)، جلد: ۱۰، ص: ۷۰تا۷۱۔

کے معاملہ سے بالکل بے تعلق ہو کر بیٹھ جائیں تو اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا نکلے گا کہ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت شیطان اور اس کی ذریات کی صرف ایک چراہگاہ بن کر رہ جائے گی[33]۔

اس تحریر میں امین احسن اصلاحی نے منکرینِ حدیث سے اختلاف کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ:

۱۔ علماء کو کفر کا فتویٰ لگانے کا حق ہے۔

۲۔ یہ موقف، کہ کسی کی تکفیر نہیں کی جاسکتی، منکرین حدیث بالخصوص غلام احمد پرویز کا موقف ہے۔

۳۔ یہ بات کہ کیا چیز کفر ہے اور کیا چیز اسلام ہے، ہر حال میں علماء ہی کی ذمہ داری ہے، اور یہ ذمہ داری ان پر اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے ڈالی گئی ہے۔

۴۔ اگر علماء یہ کام نہ کریں تو وہ عنداللہ ذمہ دار ٹھہریں گے۔

۵۔ بالخصوص سیکولر ماحول کی وجہ سے، جب حکومت یہ ذمہ داری ادا کرنے میں کوتاہی کی مرتکب ہو، تو علماء کی ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

۶۔ اگر علماء یہ ذمہ داری ادا نہ کریں، تو نبی امی ﷺ کی امت "شیطان اور اس کی ذریت کی چراہ گاہ بن جائے گی"۔

۷۔ نیز امین احسن اصلاحی کا ایمان ہے کہ اسلامی شریعت میں ارتداد مستوجبِ سزا ہے، جس کا نفاذ حکومت کی ذمہ داری ہے۔

یہی نہیں، بلکہ امین احسن اصلاحی نے اس کے بعد واضح کیا ہے کہ وہ خود بھی انکارِ حدیث کو "کفر" سمجھتے ہیں، اور منکرینِ حدیث کی تکفیر کے حق میں، علماء نے کفر کا جو فتویٰ جاری کیا تھا، اس کی تائید کرتے ہیں۔ غلام احمد پرویز کے بارے میں لکھتے ہیں: "بظاہر وہ صرف حدیث کے منکر ہیں، لیکن حقیقت میں وہ رِسالت کے منکر ہیں"[34]۔ ظاہر ہے کہ رسالت کا منکر کافر ہوتا ہے۔ پھر منکرینِ حدیث اور قادیانیوں کے بارے میں لکھا ہے: "راستے دونوں کے بظاہر دو ہیں، لیکن منزل ایک ہی ہے"[35]، اور لکھا ہے کہ منکرینِ حدیث نے نصوص کی تاویلات میں جو روش اختیار کی ہے وہ اس قدر غلط ہے کہ اِن کے سامنے "قادیانی حضرات کس گنتی میں ہیں؟"[36]۔ اس سے بھی واضح ہے کہ وہ منکرین حدیث کو قادیانیوں کی طرح کافر سمجھتے ہیں۔ امین احسن اصلاحی کے نزدیک قادیانیوں کی طرح منکرین حدیث کے کفر پر بھی اس ملک کے تمام مسالک کا "اجماع" ہے[37]۔ امین احسن اصلاحی کے خیال میں بعض غالی مولویوں نے گروہی تعصبات و نزاعات کے جوش میں ایک دوسرے کے خلاف فتوے ضرور دیے ہیں، لیکن منکرینِ حدیث اور بالخصوص غلام احمد پرویز کی تکفیر کا فتویٰ ایک مختلف چیز ہے:

[33] امین احسن اصلاحی، تفہیم دین، "پرویز صاحب اور فتویٰ کفر" (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، سنہ ۱۹۹۲ء)، صفحات ۱۷۰ تا ۱۷۱۔ امین اصلاحی کی یہ تحریر پرانی ہے، لیکن "تفہیمِ دین" میں کتابی شکل میں یہ تحریر ان کی وفات سے پانچ برس قبل، سنہ ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی۔

[34] اصلاحی، تفہیم دین، صفحہ ۱۷۲۔

[35] اصلاحی، تفہیم دین، صفحہ ۱۷۲۔

[36] اصلاحی، تفہیم دین: ۱۷۲۔

[37] اصلاحی، تفہیمِ دین، صفحات: ۱۷۳ تا ۱۷۴۔

کچھ بریلویوں کا دیوبندیوں کے خلاف، یا کچھ دیوبندیوں کا بریلویوں کے خلاف کوئی فتوے دے دینا الگ چیز ہے، اور کم و بیش ایک ہزار علماء کا، جن میں مسلمانوں کے ہر مسلک فقہی و کلامی کے علماء شامل ہیں، پرویز صاحب کے کفر پر اجماع کر لینا ایک مختلف چیز ہے۔ اس قسم کا اجماع قادیانیوں کے سوا کسی کے کفر پر بھی اس ملک میں نہیں ہوا ہے[38]۔

منکرینِ حدیث کی تکفیر کے جس فتوے کا ذکر ہوا ہے، اس پر دستخط کرنے والوں میں امین احسن اصلاحی کا نام شامل نہ تھا۔ اس سے یہ غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ امین اصلاحی شاید منکرین حدیث بالخصوص غلام احمد پرویز کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ اس غلط فہمی کو رفع کرنے کی غرض سے امین احسن اصلاحی نے اس بات کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ اس فتوے میں ملک کے جن علماء کے دستخط ثبت نہیں ہیں "اُن کو اس فتوے سے الگ خیال کرنا محض ایک مغالطہ ہے"، اور واضح کر دیا ہے کہ "یہ بات کہنے میں مجھے ذرا حجاب نہیں کہ پرویز صاحب کے خیالات وعقائد کو میں نے ہمیشہ کفر و ضلالت سمجھا ہے"[39]۔

خلاصہ

تکفیر کے بارے میں جاوید غامدی صاحب کے اس "جوابی بیانیے" کی کوئی علمی اور دینی بنیاد نہیں ہے، نہ قرآن مجید میں نہ احادیث شریفہ میں۔ اسلام میں تکفیر کی کوئی ممانعت نہیں پائی جاتی۔ تکفیر کا عمل جائز ہے، لیکن حتیٰ الوسع احتیاط کا تقاضا کرتا ہے۔ قرآن مجید میں جاوید غامدی صاحب کے موقف کے حق میں براہ راست کوئی دلیل نہیں، البتہ قرآن مجید سے "ہمارے لیے یہ تعلیم نکلتی ہے" کہ تکفیر جائز ہے۔ احادیث مبارکہ سے بھی تکفیر کا جواز صراحت سے معلوم ہوتا ہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے عمل سے بھی۔ اس معاملے میں فکر فراہی کے اکابرین میں سے امین احسن اصلاحی بھی جاوید غامدی صاحب سے مختلف جگہ پر ہیں، اور تکفیر کو جائز سمجھتے ہیں، بلکہ اسے علماء کی ذمہ داری سمجھتے ہیں، اور اگر انہوں نے تارکینِ اسلام کی تکفیر نہ کی، تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مسئول ٹھہریں گے۔ مسلمانوں کے قانونی معاملات میں بھی تکفیر کے جواز کے سوا چارہ نہیں ہے، کیونکہ کئی شرائع کی تعمیل اس پر موقوف ہے۔ اور جاوید غامدی صاحب کے "جوابی بیانیے" کے بالکل برخلاف، ان کا اپنا عمل بھی اس کے خلاف ہے: انہوں نے تقریباً تمام امت کو دین کے دائرے سے خارج کر دیا ہے، اور حق کو اپنے فرقے میں محصور سمجھتے ہیں۔ وہ اس قدر بڑے پیمانے پر عامۃ المسلمین کی تکفیر کرتے ہیں جس کی مثال خوارج، قادیانیوں، اور داعش وغیرہ ہی میں ملتی ہے۔ تکفیر کے معاملے میں متوازن رائے یہ ہے کہ تکفیر جائز ہے لیکن کامل احتیاط کا تقاضا کرتی ہے۔

صوفیاء کرام کے بارے میں متوازن موقف یہ تھا کہ "مجھے ان کی بعض تعبیرات سے اختلاف ہے، لیکن یہ اختلاف دینِ اسلام کے اندر ہی رہتے ہوئے ہو رہا ہے"۔ لیکن غامدی صاحب نے دونوں معاملات میں متشددانہ رائے اختیار کی ہے: تکفیر کو یکسر ممنوع قرار دے

[38] اصلاحی، تفہیم دین، ۱۷۳تا۱۷۴۔

[39] اصلاحی، تفہیم دین، ۱۷۴۔

دینے کے بعد، خود تقریباً تمام امت کی تکفیر کر دی، یعنی ان کا موقف افراط و تفریط کی انتہاؤں پر ہے۔ یہ رویہ ان کی فکر کی انتہا پسندی پر بھی دلالت کرتا ہے اور اُن کے "جوابی بیانیے" میں داخلی انتشار اور علمی تضاد پر بھی۔ جدید عہد کے انسان کے علمی وذوقی بحران کے بارے میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً ایک صدی قبل یہ جملہ لکھا تھا، جو اہلِ دل کی بصیرت کی حیرت انگیز کارفرمائی کا مظہر ہے:

> فلیس من الدین ان یکفر مسلم، و لا ان یغمض عن کافر، والناس فی هذه المسئلۃ فی هذا العصر علی طرفی نقیض، و لقد صدق من قال: انّ الجاهل امّا مفرِط و امّا مُفرِّط، و لا حول و لا قوۃ الا بالله العلی العظیم۔
>
> نہ کسی سچے مسلمان کی تکفیر دین میں جائز ہے، اور نہ کافر سے اغماض کرنا دین ہے؛ اِس عہد میں لوگ دو متضاد انتہاؤں پر ہیں (یعنی بعض کہہ رہے ہیں کہ تکفیر ممنوع ہے اور بعض کہہ رہے ہیں کہ کافر کو بھی نظر انداز کر دو)۔ کسی نے سچ کہا ہے: جاہل شخص یا افراط کا شکار ہوتا ہے یا تفریط کا! ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم[40]۔

***

[40] حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، اکفار الملحدین فی ضروریات الدین (بیروت: دار البشائر الاسلامیۃ، ۲۰۱۰ء)، ۱۹۲۔